کسبِ حلال اور کسبِ حرام

محمد سعد صدیقی ریسرچ آفیسر قائداعظم لائبریری

الحمدللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض و جعل الظلمٰت والنور
امابعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
یحل لھم الطیبٰتِ ویحرم علیھم الخبٰئث ۔ صدق اللہ العظیم

خالق کائنات، مدبر ارض وسمٰوٰت، خالق الحب و النباتات، مکوّن جمادات وحیوانات اور موجد انسان وجنات نے اس کائناتِ ارضی وسماوی میں جس قدر مخلوقات تخلیق وتکوین فرمائی ہیں، ان کی تمام انواع میں اضداد کا ایک عالم پایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سمٰوٰت کی تخلیق کی تو زمینوں کو بھی پیدا فرمایا، اسی نہج پر بلندی کو بھی تخلیق کیا اور پستی کی بھی تکوین فرمائی، اللہ تعالیٰ نے انوار بھی پیدا کیئے اور بحر ظلمات بھی بنائے دن اور رات خشکی وتری، حرارت وبرودت کی صورت میں ایک عالم اضداد بنایا۔

انسانی صفات وخصوصیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح اضداد کی ایک دنیا تخلیق فرمائی۔ ہدایت وگمراہی، دیانت وخیانت، تقویٰ وفجور، محبت ونفرت، دوستی وعداوت، بغض واخوت، خیرخواہی وبدخواہی، اطاعت ونافرمانی، تکبر وتواضع اور عزت و ذلت جیسی اضداد تخلیق فرمائیں۔ کیونکہ انسان کے تخلیقی عناصر میں خیر وشر دونوں کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا فرمائی۔ انسانی جسم میں ایک طرف اس کا نفس جو شر اور برائی کو قبول کرتا ہے اور انسان کو برائی، معصیت اور نافرمانی پر آمادہ کرتا اور دوسری جانب اس میں جوہر لطیف روح کو رکھ دیا گیا جو خیر وفلاح کا منبع و سرچشمہ ہے۔ انسان کی فوز وفلاح اور اس کی کامیابی وترقی اس بات میں منحصر ہے کہ وہ روح کے تقاضوں کو سمجھے، انہیں پورا کرے اور

مرضیاتِ روح پر چل کر خیر و فلاح اور سعادت دارین کو حاصل کرنے والا بن جائے۔
انسان کو نفس کے ان تقاضوں سے بچانے اور اس کی روح کو جلاء و ترقی دینے کے لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت و رسالت اور صحف و کتب کے نزول کا سلسلہ شروع کیا گیا جو حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر مختلف مراحل طے کرتا ہوا خاتم الانبیاء امام الرسل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنے عروج و کمال کو پہنچا اور نزولِ قرآن کریم نے کتب و صحف کے سلسلۂ نزول کو معراج و کمال عطا کیا قرآن کریم نے کتابی صورت میں اور نبی کریمؐ نے اپنی عملی زندگی کی شکل میں انسان کے لیے ایک ضابطۂ حیوٰۃ اور ایک طریقہ زندگی کی رہنمائی کی جس میں اس انسان کو کچھ امور بطور فرض و واجب عائد کیے گئے اور اس کے بالمقابل کچھ امور کی صراحۃً اور بتا کر ممانعت کر دی گئی جبکہ کچھ امور میں انسان کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ چاہے تو انھیں اختیار کرے اور چاہے تو ترک کر دے۔ یہی تین بنیادی اور اساسی چیزیں ہیں جو احکام شریعت میں کارفرما نظر آتی ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یا نبی کریمؐ نے احادیث مبارکہ میں جن چیزوں کو منع فرما دیا۔ وہ ممنوع و حرام کے قبیل سے ہیں اور جن چیزوں میں اختیار دے دیا وہ مباح و حلال کی فہرست میں شامل ہیں یکسب و عمل میں یہ نظریہ شریعت اسلامی کے بنیادی اور اساسی عوامل میں سے ہے اور اسکے بغیر انسان اپنے دعوٰی ایمان میں کمال صدق حاصل نہیں کر سکتا۔
احکامِ ربانی ہوں یا تعلیماتِ نبویؐ حلال و حرام کی ان بنیادوں سے مقصد بندہ اور افراد امت میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے ایسے جذبات پیدا کرنا ہے کہ جن کی بنا پر وہ بے چون و چگون اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا رہے اور اس سلسلہ میں نفس کی خواہشات حائل ہوں نہ شیطانی وساوس، معاشرتی عوامل مانع ہوں نہ اقتصادی مجبوریاں روکاوٹ بنیں۔ یہی اطاعت و فرمانبرداری ہماری اخروی فلاح کی ضامن ہے اور دنیاوی سکون و اطمینان کی سبب بھی۔ کسب حلال و کسب حرام پر بحث کی ابتدار سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاح شریعت میں حرام و حلال کے مفہوم پر غور کر لیا جائے۔
حرام کی تعریف:۔ علامہ خضری بک حرام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
الحرام ما اشعر بالعقوبۃ علی فعلہ[1]

(حرام وہ ہے جس کے ارتکاب پر شریعت نے کوئی سزا متعین کی ہو)
یعنی جس فعلِ شنیع کے ارتکاب پر شریعت نے اس دنیا کے اندر کوئی حد متعین کی یا آخرت کی کوئی سزا قرآن کریم یا حدیث نبوی سے ثابت ہوتی ہو، وہ فعل اور اس کا ارتکاب حرام میں داخل ہوگا۔ قدیم ماہرین اصولِ فقہ قرآن کریم پر بحث کرتے ہوئے خاص دو اقسام بیان کرتے ہیں۔

الف : امر

ب : نہی

مذکورہ بالا دونوں میں وجوب اور قطعیت کے معنیٰ پائے جاتے ہیں، اوّل الذکر میں کسی فعل کے کرنے کو واجب قرار دیا جاتا ہے جبکہ مؤخر الذکر میں کسی فعل کے ارتکاب سے منع کر دیا جاتا ہے اور یہی ممانعت بعض شرائط کے ساتھ حرام کی صورت اختیار کر جاتی ہے چنانچہ ملا جیون نہی کی تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

لفظ وضع لمعنی معلوم وهو التحریم [۱]

(نہی کا لفظ ایک مخصوص معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہے اور وہ تحریم ہے)
معلوم ہوا کہ شارع جس چیز سے ممانعت فرما دیں اس کے اندر عقلاً اور شرعاً کوئی خرابی ہوگی اور یہ مضرت و خرابی اس کے اندر اصلاً پائی جاتی ہوگی یا کسی عارض کی بنا پر پیدا ہو گئی ہوگی۔
ابن حزم حرام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

الحرام : هو ما طلب الشارع الكف عنه علىٰ وجه الحتم والالزام فيكون تاركه مأجورًا مطيعًا ، وفاعله آثمًا عاصيًا [۲]

(حرام وہ حکم ہے جس کے ذریعہ شارع کسی کام سے حتمی اور لازمی طور پر رک جانے کو طلب کریں پس اس کام کو چھوڑنے والا مطیع کہلائے گا اور بدلہ سے نوازا جائے گا جبکہ مرتکب گنہگار اور نافرمان کہلائے گا)
ابن حزم کی یہ تعریف گذشتہ تعریف کے مقابلہ میں وسیع تر محسوس ہوتی ہے کہ جس میں تارک حرام کے لیے اجر و ثواب کا بھی ذکر ہے اور مرتکب حرام کے لیے گنہگار اور نافرمان کا نام تجویز کیا گیا ہے ۔

ثبوت حرمت کی شرائط ۔ ثبوتِ حرمت کی شرائط بیان کرتے ہوئے علامہ خضری لکھتے ہیں :

"ما ثبت قطعًا وھو نصوص الکتاب والسنۃ المتواترۃ والاجماع"[۱]

(جو کسی نص قطعی یعنی کتاب اللہ، سنتِ متواترہ یا اجماع امت سے ثابت ہو)

الفاظِ حرمت ۔ قرآن و سنت میں کسی چیز کو حرام کرنے کے لیے حسب ذیل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ۔

الف : تحریم ۔ اس مادہ سے کوئی بھی صیغہ استعمال کیا جائے ۔ مثلاً

" حرمت علیکم امھاتکم"[۲] (تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں)

ب : حلال کی نفی ۔ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا ۔

لا یحل مال امرء مسلم إلا بطیب نفسہ [۳]

(کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان کے لیے مال بغیر اسکی ولی رضامندی کے حلال نہیں)

ج ۔ ایسے حتمی انداز میں ممانعت کی جائے کہ جو تحریم پر دلالت کرے ۔

فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور [۴]

(تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے (بالکل) کنارہ کش رہو اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو) ۔

د ۔ کسی چیز کو نجس اور ناپاک قرار دے دیا جائے ۔

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان [۵]

(شراب، جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں پس سو ان سے بالکل الگ رہو)

ھ ۔ کسی کام پر کوئی حد متعین کر دی جائے ۔

والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعۃ شھدآء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ" ۔ [۹]

(اور جو لوگ (زنا) کی تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درّے لگاؤ)

ط ۔ کسی کام پر آخرت کے کسی عذاب یا غضب الٰہی کی وعید دی جائے ۔

ان الذین یأکلون اموال الیتامیٰ ظلمًا انما یأکلون فی بطونهم نارًا وسیصلون سعیرًا ۔[۱]

(بلاشبہ جو لوگ یتیم کا مال بلا استحقاق کھاتے (برتتے) ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جلتی آگ میں داخل ہوں گے) ۔

ی ۔ عدم قبولیت شہادت ۔

والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهدآء فاجلدوهم ثمانین جلدةً ولا تقبلوا لهم شهادة أبدًا ۔[۱]

(اور جو لوگ (زنا) کی تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی دُرّے لگاؤ اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے گی) یعنی ان کا جرم اس قدر سنگین ہے کہ وہ اہلیت شہادت سے محروم کر دیے گئے ۔

درج بالا تمام الفاظ کے ذریعہ سے جس چیز کی ممانعت کی جائے ، وہ شریعت میں حرام قرار دی جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرام فرض کے مقابلہ میں ہے اور جس طرح فرض کا تارک گنہگار اور منکر کافر ہوتا ہے ، حرام کا مرتکب گنہگار اور حرمت کا منکر کافر ہوتا ہے ۔

حرام کی اقسام ۔ احکام شریعت میں جن اشیاء کو حرام قرار دیا گیا ہے ، ان کو دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

الف ۔ حرام لذاتہ ۔ ایسی اشیا یا ایسے امور جن کو شریعت نے ہمیشہ کے لیے ان کے کسی ذاتی ضرر و فساد کی بنا پر حرام قرار دے دیا ہو اور ان کی یہ حرمت کسی عارض کی بنا پر نہ ہو۔ مثلاً مردار کا کھانا یا اس کا فروخت کرنا ، شراب پینا یا اس کا فروخت کرنا ۔

اس نوع کا حکم یہ ہے کہ ایسے حرام کا ارتکاب کسی مسلمان کے لیے جائز و حلال نہیں اور ایسے مرتکب حرام پر حد کی صورت میں حد نافذ کی جائے گی اور عذاب آخرت کی صورت میں وہ

عذاب کا مستحق ہوگا۔ لیکن شارع نے پانچ مواقع پر اس حرام کو بقدر ضرورت حلال کیا ہے اور صرف ان پانچ صورتوں میں یہ امور ضرورت پورا کرنے کی حد تک حلال و جائز ہوں گے۔

۱ ۔ حفاظتِ دین
۲ ۔ حفاظتِ نفس
۳ ۔ حفاظتِ عقل
۴ ۔ حفاظتِ سامان
۵ ۔ حفاظتِ مال

مثلاً حالت اضطرار میں جب بھوک یا پیاس سے ہلاکت کا اندیشہ وخوف ہو تو مردار کھانا یا شراب پینا حلال اور جائز ہو جاتا ہے لیکن یہ چیز مدنظر رہے کہ کسی حرام کو حلال کرنے کا اختیار صرف شارع یعنی اللہ تعالیٰ کو ہے۔ قرآن کریم کی صراحت کے بغیر کوئی شخص اپنے اجتہاد و قیاس سے کسی حرام کو مصلحت استحسان یا ماحول و معاشرہ کی ضرورت یا کثرت کی بنا پر جائز و حلال نہیں کر سکتا۔ اسی طرح معاشرہ میں کسی حرام کے ارتکاب کی کثرت اس کی حرمت کو ختم کرتی ہے اور نہ ہی اس کے ارتکاب پر گناہ میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ البتہ ماحول و معاشرہ میں کسی حرام کی کثرت کے باوجود کسی شخص کے اس حرام سے بچنے کی فضیلت اور اس پر اجر و ثواب کی زیادتی کی امید ضرور کی جا سکتی ہے۔

ب ۔ حرام لغیرہٖ ۔ حرام کی دوسری قسم وہ اشیا یا امور ہیں جو بذاتہ تو حلال، جائز مستحسن یا پسندیدہ ہیں لیکن کسی حرام کے ساتھ مل جانے یا کسی عبادت میں رکاوٹ بننے کی بنا پر حرام ہو جاتے ہیں اور اس عارض کے ختم ہو جانے پر پھر اپنی اصلی حالت و کیفیت پر لوٹ جاتے ہیں۔ مثلاً ارض مغصوبہ میں نماز یا اوقات مکروہ میں نماز عید کے دن روزہ یا جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت۔ یہ تمام امور ایسے ہیں کہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے مستحسن، پسندیدہ ہیں جیسے نماز اور روزہ یا حلال و جائز ہیں مثلاً خرید و فروخت لیکن مقام یا وقت کی وجہ سے یہ امور حرام ہو گئے ہیں اور اس مقام اور وقت کی تبدیلی کے بعد پھر مستحسن یا جائز ہو جائیں گے۔

فقہا کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ ان عارضات کی بنا پر یہ تمام امور حرام ہیں اور ان سے

کسب واکتساب بھی حرام۔ جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک ان عارضات کی موجودگی میں ان افعال کا ارتکاب ناجائز ہے لیکن بالفعل مؤثر ہے یعنی اگر کوئی ارضِ مغصوب میں نماز ادا کرے تو اگرچہ وہ گنہگار ہے لیکن نماز کی فرضیت اس سے ساقط ہو جائے گی اسی طرح اگر کوئی شخص اذانِ جمعہ کے بعد خرید و فروخت کرے تو گنہگار ہے لیکن معاملۂ بیع منعقد ہو جائے گا۔

حلال کی تعریف : حرام کے مقابلہ میں لفظ حلال ہے جو مباح کا مترادف ہے مباح کی تعریف کرتے ہوئے علامہ خضری بک لکھتے ہیں۔

ان المباح من حیث ہو مباح لایکون مطلوباً فعلہ' ولا اجتنابہ[۲]

(مباح وہ امر ہے کہ شریعت میں جس کا ترک کرنا یا سرانجام دینا مطلوب نہ ہو)

امام شوکانی نے اس سے زیادہ مفصل اور جامع تعریف کی ہے۔

المباح: ہو ما خیر الشارع المکلف بین فعلہ وترکہ ولا مدح ولا ذم علی الفعل والترک ویقال لہ' الحلال[۳]

(مباح وہ امر ہے کہ جس میں شارع نے انسان کو اس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے، اس کے کرنے پہ کوئی تعریف ہے نہ ترک پہ کوئی مذمت اور اسی کو حلال کہا جاتا ہے)

یعنی مباح یا حلال وہ امور ہیں کہ جنکے بارے میں شریعت نے یہ حق دے دیا ہے کہ انسان اپنی فطری ضروریات کو حاصل کرنے اور جبلی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ان مباح اور حلال اشیاء و امور سے استفادہ کر سکتا ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی واضح کر دی کہ امور مباح اور حلال پر عمل کرنے والا شخص اپنے آپ کو کسی مدح اور خراج تحسین کا مستحق نہ سمجھے دین و شریعت کی جانب سے جو فرائض و واجبات اس پر عائد ہیں ان کو سرانجام دیتے رہنا اور جن امور سے شارع نے منع کر دیا، ان سے بچتے رہنا اللہ کے نزدیک قابل مدح و ستائش ہے۔

الفاظ اباحت | قرآن کریم کی آیات اور نبی کریمؐ کی احادیث میں جن الفاظ کے ذریعہ کسی چیز یا کسی کام کو جائز و حلال کہا جاتا ہے وہ حسبِ ذیل ہیں۔

الف ۔ لفظ حلال کی تصریح ہو۔

الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب

حل لکم وطعامکم حل لھم [۱۴]

(آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئیں اور جو لوگ کتاب دیے گئے ہیں، ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے)

ب: اثم (گناہ) کی نفی۔ فمن اضطر غیر باغٍ ولا عادٍ فلا اثم علیہ [۱۵]

پھر بھی جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت) سے تجاوز کرنے والا تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں)

ج: نفی حرج۔ نفی حرج دو الفاظ کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ نفی جناح اور نفی حرج۔

ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہٖ من خطبۃ النسآء او اکننتم فی انفسکم [۱۶]

(اور تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو پیغام (نکاح) کے بارہ میں کوئی بات اشارۃً کہو یا اپنے دل میں (ارادۂ نکاح کو) پوشیدہ رکھو)۔

لیس علی الاعمیٰ حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ولا علیٰ انفسکم ان تاکلوا مِن بیوتکم او بیوتِ اٰبآءِکم [۱۷]

(نہ تو اندھے آدمی کے لیے کچھ مضائقہ ہے، نہ لنگڑے آدمی کے لیے کچھ مضائقہ ہے اور نہ بیمار آدمی کے لیے کچھ مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لیے اس بات میں (کچھ مضائقہ ہے) کہ تم اپنے گھروں سے (جن میں بی بی اور اولاد کے گھر بھی آ گئے) کھانا کھا لیا کرو یا اپنے باپ کے گھر سے)

د۔ **صیغہ امر**۔ صیغہ امر (حکم کا صیغہ) اپنی اصلی وضع کے اعتبار سے تو وجوب کے لیے مستعمل ہے لیکن بعض اوقات کسی قرینہ کی بنا پر اس کو وجوب کی بجائے اباحت کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض [۱۸]

(اور جب نماز (جمعہ) پوری ہو چکے تو (اس وقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو۔

یہاں زمین میں پھیل جانے کا حکم اباحت کے لیے ہے کہ اذان جمعہ کی وجہ سے جو دیگر مساعی منقطع ہو گئی تھیں اب نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے بعد وہ جائز و حلال ہو گئی ہیں ان سے انسان متمتع و مستفید ہو سکتا ہے۔

۵۔ استصحاب۔ انسانی منافع کے لیے استعمال ہونے والی اشیاء خواہ وہ ماکولات ہوں یا مشروبات، جمادات ہوں یا حیوانات، دراصل انسان کے لیے مباح و حلال ہیں صرف وہ اشیاء حرام ہیں جن کی حرمت کی صراحت شارع (قرآن کریم یا نبی کریم ﷺ) کی ہے۔

کیونکہ قرآن کریم نے ان تمام اشیاء کی تسخیر انسانی منفعت کے لیے بتائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعًا منہ۔[۱۹]

(اور (اسی طرح) جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں، ان سب کو اپنی طرف سے تمہارے لیے مسخّر بنا دیا)

وھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا۔[۲۰]

(وہ (ذات پاک ایسی ہے) جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لیے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب)۔

ان دونوں آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اشیاء میں دراصل اباحت و جواز ہے حرمت کے لیے شارع کی صراحت ضروری ہے کیونکہ انسان کے لیے مسخر کیے جانے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے فائدہ و منفعت کے لیے ہر چیز تخلیق کی گئی ہے اور ظاہر ہے استفادہ اباحت کے بغیر ممکن نہیں۔

حلال و حرام کی اساس: انسانی زندگی اور شرعی احکام و اوامر پر نظر کرنے سے معلوم ہوگا کہ حلال و حرام کو تین بنیادوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ ماکولات و مشروبات: احکام شریعت نے بعض کھانے اور بعض پینے کی چیزوں کو حرام اور نجس قرار دیا ہے اور ان ماکولات و مشروبات میں بھی حرمت بالذات اور حرمت بالغیر کی تفسیر کارفرما نظر آتی ہے مثلاً خنزیر کا گوشت شراب اور دم مفسوح (وہ خون جو ذبح

کرتے وقت جانور کی شہ رگ سے یا انسانی زخم سے جاری ہوتا ہے) حرام بالذات اور مردار ایسی نذر و نیاز کا مذبوح جس میں شرک کا شائبہ ہو یا نجس پانی حرام بالغیر کی قسم میں شمار ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں اپنی اصل کے اعتبار سے تو جائز ہیں لیکن مراد ہونے، غلط نیت سے ذبح ہونے یا نجاست مل جانے کی بنا پر حرام ہو گئے۔

ب۔ خانگی و معاشرتی معاملات: مسلمان کی زندگی کے معاشرتی یا خانگی معاملات جن کا تعلق اس کی ازدواجی زندگی سے ہے مثلاً زنا سے اجتناب، محرمات (جن سے نکاح حرام ہے) سے نکاح نہ کرنا، نکاح، طلاق اور اولاد سے متعلقہ دیگر مسائل کے علاوہ معاشرتی زندگی کے مسائل جن میں رسوم و رواج، کھیل کود اور معاشرتی تعلقات شامل ہیں، ان سے متعلق احکام حرام یا حلال کی فہرست میں داخل و شامل ہیں۔

ج۔ کسب معاش سے متعلق: انسان اپنی زندگی میں کسبِ معاش اور ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لیے مختلف معاملات لوگوں سے کرتا ہے یہ تمام معاملات بھی از روئے شریعت یا تو مباح و حلال ہوتے ہیں اور یا حرام و ممنوع۔ کسی بھی حرام و ممنوع معاملہ میں شریک دونوں فریق مساوی طور پر گنہگار، حد کی صورت میں حد کے مستحق اور عذاب کے مستوجب ہوتے ہیں اور اس معاملہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے منافع اور فوائد بھی حرام ہوتے ہیں ہمارے موضوع کا تقاضا ہے کہ حلال و حرام کی اس بنیاد و اساس پر توجہ کو زیادہ تر مرکوز رکھا جائے اور مقدم الذکر دو بنیادوں کی جانب صرف اشارات کیئے جائیں۔

بنی نوع انسان کی ذہنی اور فکری تربیت اور عملی اصلاح کے لیے اور انہیں مرضیاتِ الٰہی کے تابع اور منہیات ربانی سے روکنے کے لیے ہدایات و احکام ربانی کا جو سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا وہ حضرت عیلیٰؑ کی بعثت تک ایک مرحلہ کی تکمیل کرتا ہے، اسے سلسلہ نبوت کے اولین مرحلہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اس اولین مرحلہ میں جس قدر بھی انبیاء علیہم السلام کو نبوت عطا کی گئی، جس قدر رسل مبعوث ہوئے اور صحف و کتب کی جو بھی تعداد نازل ہوئی، احکام و اوامر کے اعتبار سے وقتی اور نزول کے اعتبار محدود اقوام و علاقہ کے لیے تھے۔ لیکن نبی کریمﷺ کی بعثت و نبوتِ اور قرآن کریم کا نزول قصر نبوت کی تکمیل اور ضابطہائے حیوٰۃ کے اتمام کی تعبیر ہے۔

آپؐ کی نبوت و رسالت وقتی تھی اور نہ ہی قرآن کریم کی مخاطب کوئی ایک خاص قوم تھی بلکہ آپؐ کی نبوت و رسالت عالمگیر تھی اور قرآن کریم کا مخاطب دورِ نبوت سے قیامت تک پیدا ہونے والا ہر شخص ہے خواہ وہ کسی خطۂ ارض میں پیدا ہونیوالا ہو، کسی بھی قوم، قبیلہ، خاندان اور ملک سے تعلق رکھتا ہو۔ کیونکہ قرآن کریم کی ابتداءً نازل ہونے والی آیات میں مخاطب بناتے وقت کسی قوم کی تخصیص نہیں کی گئی۔ ارشاد ہوا۔

یاایھا المدثر قم فأنذر[۲۱]

(اے چادر اوڑھنے والے کھڑا ہوجا اور ڈرا دے)

انذار کے حکم میں یہ قید نہیں لگائی گئی کہ صرف قریش کو ڈرا عرب اس کے مخاطب ہیں یا موجودہ دور کے تمام انسان، یہ انذار اس قدر عام ہونا چاہیے کہ قیامت تک آنے والا ہر شخص آپؐ کے پیغام کا مخاطب، آپؐ کے احکام کا محکوم آپؐ کے اوامر کا مامور، آپؐ کی منہیات سے رکنے والا اور آپؐ کے اسوۂ مبارکہ کا متبع ہو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کریم کے احکام ہوں یا نبوی تعلیمات، ان کا انداز و اسلوب جزئی ہونے کی بجائے کلی رہا۔ انسانی زندگی میں پیش آنے والے ہر ہر مسئلہ کے لیے جزوی حکم دینے کی بجائے اصول و کلیات کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کر دی گئی اور مجتہدینِ امت کو دعوت دے دی گئی کہ وہ اپنے دور کے مسائل، اپنے زمانے کے حوائج اور اپنے لوگوں کی ضروریات کو دیکھتے ہوئے، ان اصول و کلیات کی روشنی میں احکام متعین کریں، حدود الٰہی کی نشاندہی کر دی گئی اور اس سے تجاوز پر سخت سزا کی وعید سنا دی گئی۔ اب یہ مجتہدینِ امت کا کام ہے کہ وہ ان حدود کی عظمت کو برقرار رکھتے ہوئے، اپنے پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن حکیم اور نبوی تعلیمات کی روشنی میں تلاش کریں۔ یہی وجہ ہے کہ مصادر قانون اسلامی میں قرآن و سنت کے بعد اجماع و قیاس اور استحسان و مصلحت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ علامہ ابن حزم نے احکام شرع کی علتیں، حکمتیں اور بنیادیں معلوم کرنے کو بدعت قرار دیا ہے اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں لکھتے ہیں:

"فأخبر تعالیٰ ان البحث عن علة مراده تعالیٰ ضلال"[۲۲]

(پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ کی مراد علت سے بحث گمراہی ہے)

اس ضمن میں ابن حزم کا بنیادی استدلال حضرت آدمؑ کے واقعہ سے ہے جس کی دو جہتوں سے ابن حزم استدلال کرتے ہیں۔

الف ۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا، ابلیس نے سجدہ نہ کرنے کی وجہ بیان کی کہ میں آدم سے بہتر ہوں کہ میری تخلیق آگ سے اور آدم کی تخلیق مٹی سے کی گئی ہے چنانچہ اس قیاس کی بنا پر مجھ پر سجدہ کرنا لازم نہ تھا، یعنی ابلیس نے اللہ کے حکم کی علت ثابت کر کے اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا۔

ب ۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو جنت میں رہنے کی اجازت دی اور ایک مخصوص درخت کھانے سے ممانعت فرمادی حضرت آدمؑ نے ابلیس کے وسوسہ سے متأثر ہو کر وہ درخت اس بنا پر کھا لیا کہ اس کے کھانے سے وہ جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہو جائیں گے اور اس طرح علت و سبب کی تلاش میں حضرت آدم علیہ السّلام بھی اللہ کی نافرمانی کے مرتکب ہوئے جس پر انھیں بعد میں ندامت کا اظہار کرنا پڑا ابن حزم کا یہ استدلال متعدد وجوہ سے باطل ہے جس کی تفصیل کی اس وقت گنجائش نہیں صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ علت کی تلاش کو مطلقاً بدعت و گمراہی قرار دینا صحیح نہیں بلکہ جو دلائل اس حق میں ابن حزم نے دیے ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عین حکم الٰہی کی تعمیل و تکمیل کے لیے علت تلاش کرنا، اسباب معلوم کرنا یا اس کی حکمتوں پر بحث کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن ان علل، اسباب اور حکم کو تعمیل حکم کی بنیاد بنانا جائز نہیں بلکہ تعمیل کی بنیاد محض حکم الٰہی ہونا چاہیے، لیکن ایک غیر منصوص چیز کا حکم معلوم کرنے کے لیے اس کو کسی منصوص حکم پر قیاس کرنا ہوتا ہے اور اس قیاس کے لیے اصل حکم کی علتِ صحیحہ کا معلوم ہونا ضروری ہے اس کے بغیر انسان کسی حکمِ جدید کی تلاش سے قاصر ہے اور یہ بات دینِ اسلام کی ہمہ گیری اور اس کے دوام کے خلاف ہے۔

احکام اسلام کا یہ ہمہ گیر اسلوب حلال و حرام کے احکام میں بھی کارفرما نظر آتا ہے، کسب و اکتساب میں کچھ امور حلال و مباح جبکہ کچھ امور حرام و محظور (ممنوع) ہیں، ان کے کچھ اصول و کلیات ہیں جن پر احکامِ حلال و حرام مبنی و منحصر ہیں۔ وہ اصول و کلیات حسبِ ذیل ہیں۔

احکام حلال و حرام کے بنیادی اصول

گذشتہ اوراق میں حلال حرام کے تین دائرے بیان کیے گئے تھے، احکام حرام و حلال کا تعلق کسی بھی دائرے سے ہو، خواہ وہ ماکولات و مشروبات میں سے ہوں، خانگی امور اور معاملات سے ان کا تعلق ہو یا وہ کسب و اکتساب سے متعلق ہوں، بنیادی طور پر جن اصولوں پر مدار کرتے ہیں، ان کو ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

الف : طہارت زندگی۔

ب : حفظ زندگی۔

ج : شرف زندگی۔

ان تین اصول و کلیات کی مزید جزئیات ہیں جو احکام میں نظر آتی ہیں اور حلال و حرام سے متعلق تمام احکام انہی میں سے کسی بنیاد پر اساس کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

الف : طہارت زندگی۔ حلال و حرام کا پہلا اصول طہارت زندگی ہے یعنی ہر وہ امر کہ جو انسانی زندگی کی طہارت اور پاکیزگی کے خلاف ہو شریعت کی رو سے حرام ہوگی مثلاً ایسی تمام اشیاء کو حرام قرار دیا گیا جن کو انسانی طبیعت خبائث میں سے سمجھتی ہے جیسے سور کا گوشت کہ انسانی جبلت و فطرت اسے نجس اور گندا سمجھتی ہے اور اس کے کھانے کو اپنی زندگی کی طہارت کے خلاف سمجھتی ہے۔ طہارت زندگی میں دو چیزوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

۱ : **حفاظت دین۔** زندگی کی طہارت اور پاکیزگی حفاظت دین کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ انسان دنیا و مذہب سے عاری اور بے نیاز ہو کر پاکیزہ زندگی نہیں گذار سکتا۔ اس لیے ایسے تمام امور حرام قرار دیے جائیں گے جو انسان کے دین و مذہب پر اثر انداز ہوتے ہوں، اس کے عقائد و نظریات کو متاثر کرتے ہوں یا اسے ایسی عملی زندگی سے منسلک کرتے ہوں جو دین و مذہب اور اسلامی تعلیمات و احکام کے خلاف ہو۔ چنانچہ ایسی تمام اشیاء کا کھانا یا استعمال کرنا حرام ہوگا جو انسان کے اندر دینی حمیت و غیرت کو ختم کر دینے والی ہوں۔ چنانچہ اکثر مفسرین کے نزدیک سور کا گوشت کھانے سے انسان کے اندر دینی حمیت و غیرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کسب و اکتساب اور معاملات کے باب میں سود کو حرام قرار دیا گیا اور فرمایا گیا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربوا اضعافًا مضاعفۃ [۲۳]

اے ایمان والو سود کو دوگنا چار گنا کر کے مت کھاؤ۔

کیونکہ سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے لہٰذا اولاً تو کوئی مسلمان سودی معاملہ نہ کرے، کسی سے سود وصول کرے اور نہ کسی کو ادا کرے اور اگر اس حکم کے نزول سے قبل وہ معاملۂ سود منعقد کر چکا ہے اور اس میں سے کچھ سود وصول کر چکا ہے تو بقیہ سود کو معاف کر دے اور اصلاً زر وصول کرے کہ اب اس حکم کے نزول کے بعد سودی کاروبار میں حصہ لینا اللہ سے مقابلہ و محاربہ کرنے کے مترادف ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وذروا ما بقي من الربا ان كنتم مؤمنين فأن لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله و رسوله [۲۴]

یعنی سود کا لین دین انسان کو اللہ کا دوست بنانے کے بجائے اس کا دشمن بنا دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص دین و ایمان سے محروم اور اللہ کی دشمنی اور لڑائی کو دعوت دینے والا ہے۔

۲:۔ **حفاظت عقل** طہارت زندگی کی دوسری اہم بنیاد حفاظت عقل ہے کہ عقل کے خراب یا ناکارہ ہو جانے کے بعد کسی بھی ایسی بدکاری کی اس سے توقع کی جاسکتی ہے جو اس کی زندگی کی طہارت اور پاکیزگی کے خلاف ہو اسی بنا پر شراب کو حرام قرار دیا گیا کہ یہ عقل انسانی کو مخمور اور مدہوش کر دیتی ہے اور انسان ایسی حالت و کیفیت کو پہنچ جاتا ہے کہ اسے بلندی و پستی کی تمیز رہتی ہے نہ اپنے قول و فعل کی خبر۔ یہی وجہ ہے کہ شراب کو ام الخبائث سے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس کی مضرت اور اس کے نقصانات تنہا نہیں ہیں بلکہ وہ اپنی تمام تر مضرتوں اور خرابیوں کے بعد دوسری خبائث کے وجود کی بنیاد اور اس کا سبب بنتی ہے۔

طہارتِ زندگی کے اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعتِ اسلامی نے سود اور شراب کی خرید و فروخت کو بھی حرام قرار دیا ہے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی کسب حرام کے ضمن میں آئے گی اور اسی طرح کوئی بھی نشہ آور چیز جو عقل انسانی کو شراب کی طرح متاثر کرتی ہو، استعمال کرنی حرام اور اس کی خرید و فروخت ممنوع ہوگی۔

ب۔ **حفظِ زندگی** ۔ انسان زندگی کا خود مالک نہیں بلکہ یہ زندگی اسے اللہ کی جانب

سے ایک امانت کے طور پر سپرد کی گئی ہے اور جس طرح ہر امانت کی حفاظت انسان کے لیے ضروری اور اس میں خیانت کا ارتکاب اس کے لیے بفحوائے ارشاد ربانی :

ان اللہ یأمرکم أن تؤدوا الامانات إلی اھلھا[۲۵]

(بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کرو)

ممنوع ہے اسی طرح اس زندگی کی امانت کی حفاظت کرنا اور اس میں خیانت سے باز رہنا انسان کے لیے لازم وضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں خودکشی کو حرام قرار دیا گیا اور اقدام خودکشی پر حد (سزا) متعین کی گئی اسی طرح انسان کے پاس اپنے اعضاء اللہ کی جانب سے ایک امانت ہیں ان اعضاء اور خون کو انسان فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو ہدیہ کر سکتا ہے البتہ حالتِ اضطرار میں حفظِ زندگی کے اصول کے تحت خون کا عطیہ دینا جائز ہے لیکن اپنے خون کی خرید و فروخت حرام اور اس سے حاصل شدہ آمدنی کسب حرام کی فہرست میں داخل ہے۔

اسی بنا پر احناف کے نزدیک عورت کے دودھ کو فروخت کرنا بھی حرام ہے[۲۶] حفظِ زندگی کا یہ اصول احکام شریعت میں جن بنیادوں پر استوار ہے، وہ حسب ذیل ہیں :

۱۔ **انسانی صحت کی حفاظت**: ایسی اشیاء کی خرید و فروخت ناجائز اور حسب مضرت حرام ہوگی جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہوں اگرچہ وہ اشیاء اپنی ذات کے اعتبار سے حرام نہ ہوں۔ چنانچہ زہر خواہ اس کا اثر فوری ہو یا تاخیر کے ساتھ کی فروختگی حرام ہے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی کسب حرام میں داخل ہے۔[۲۷] ارشاد الٰہی ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارةٌ عن تراضٍ منکم ولا تقتلوا انفسکم[۲۸]

(اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اور تم ایک دوسرے کو قتل مت کرو)

یعنی اموال کا لین دین باہمی رضامندی اور تجارت کے ذریعہ سے ہونا چاہیے اور کوئی شخص کسی دوسرے کے مال پر اس کی رضامندی اور اپنے حق کے بغیر قابض نہیں ہو سکتا اور یہ

باہمی رضامندی اور تجارت بھی ایسے اموال کی ہونی چاہیے جو کسی تیسرے آدمی کی ہلاکت یا اس کے نقصان کا سبب نہ بنے۔ چنانچہ اس اصول کے تحت ایسی اشیاء کی خرید و فروخت کے معاہدات حرام قرار پائے جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ یا اس کے لیے سبب ہلاکت ہیں۔ اسی طرح ایسے تمام معاہدات جو اگرچہ باہمی رضامندی سے طے کئے جائیں اسی فہرست میں داخل ہونگے کہ جن پر عمل کے نتیجہ میں کسی ایک جان یا کئی جانوں کا ضیاع ہو رہا ہو۔ لہذا اجرت پر قتل کرنا یا تخریب کاری کا ارتکاب کرنا گناہِ قتل اور تخریب کے علاوہ مزید گناہ کا مستوجب ہے اور ایسے معاہدات کے ذریعہ حاصل کی گئی رقم بھی کسبِ حرام میں داخل ہوگی کیونکہ قرآن کریم نے صراحتاً اس کی ممانعت بھی فرمائی مزید یہ کہ اس پر عذاب آخرت کی وعید بھی سنائی گئی۔

فرمایا:

ومن يفعل ذالك عدوانًا وظلمًا فسوف نصليه نارًا[۲۹]

(اور جو شخص ایسا فعل کرے گا اس طور کہ حد سے گذر جائے اور اس طور کہ ظلم کرے تو ہم عنقریب اس کو آگ میں داخل کریں گے)

ڈاکٹر کی فیس حفظِ زندگی و صحت کے اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اطباء اور ڈاکٹر جو انسانی صحت کی حفاظت کے لیے انسان کو ادویات اور مشورہ دیتے ہیں، وہ ادویات کی قیمت کے علاوہ اپنے مشورہ کی فیس بھی وصول کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ روحانی طریقہ علاج اختیار کرنے والوں، آسیب، جنات اور جادو کے آثار کو ختم کرنے والے عاملین اگر اپنے عملیات اور تعویذات کی اجرت حاصل کرتے ہیں تو وہ بھی جائز اور حلال ہے اور کسب حلال کی فہرست میں داخل ہے۔

۲۔ **نزاعات اور جھگڑوں سے حفاظت**: احکام اسلام ہی میں نہیں بلکہ سابق تمام آسمانی شریعتوں میں جھگڑے، فساد اور نزاعات کی سختی سے مذمت کی گئی اور انسان کو امن و سکون اور صلاح و فلاح کی زندگی گذارنے کی تلقین و تاکید کی گئی۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کے مقاصد بعثت میں سے ایک عظیم مقصد یہ بھی شمار کیا گیا کہ زمین سے ظلم و فساد کو ختم کیا جائے اور عدل و انصاف کی اشاعت اور اس کا نفاذ کیا جائے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

"ان من اعظم المقاصد التی قصدت ببعثة الانبیاء علیهم السّلام دفع المظالم بین الناس"[۳۰]

(بعثت انبیاء کے مقاصد میں سے عظیم ترین مقصد انسان کے مابین ہونے والے مظالم کا تدارک وانسداد ہے)۔

یعنی انبیاء علیہم السلام کے مقاصد بعثت میں سے اگر اعظم مقاصد کا تعین کیا جائے تو اصلاح قلب و باطن کے بعد عظیم ترین مقصد یہی نظر آتا ہے کہ لوگوں میں جو مظالم پھیل گئے ہیں، ان کو روکا جائے، عدل و انصاف کی زندگی فراہم کی جائے اور فتنہ و فساد کا سدِ باب کیا جائے۔ قرآنِ کریم میں بیشتر آیات اور متعدد مقامات پر فتنہ و فساد کی مذمت کی ہے اور قتل نفس کی تمام تر خرابیوں اور مضرتوں کے باوجود فتنہ کو قتل سے بھی زیادہ شدید اور مضرت رساں قرار دیا گیا۔ ارشاد ہوا:

الفتنة اشد من القتل[۳۱]۔ الفتنة اکبر من القتل[۳۲]

اسی بنا پر فساد فی الارض کی سزا متعین کی گئی کہ

ان الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فسادًا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم وأرجلهم من خلاف او ینفوا من الارض[۳۳]

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کریں یا زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کریں ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے، یا ان کو پھانسی دے دی جائے، ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیے جائیں یا انھیں ملک بدر کر دیا جائے)

یعنی ایک جانب قتل، پھانسی، ہاتھ پاؤں کاٹنا اور ملک بدر کیے جانے جیسی سخت اور عبرت ناک سزاؤں سے فتنہ و فساد کی جڑ کاٹی جا رہی ہے تو دوسری جانب اسے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے مساوی اور ہم پلہ قرار دیا جا رہا ہے کہ اہل ایمان کے لیے یہ ایک انتہائی اذیت ناک پہلو ہے کہ وہ کسی ایسی سرگرمی میں ملوث یا ایسے فعل کے مرتکب ہوں جس پر اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی اور ان سے جنگ و محاربہ نتیجہ کے طور پر حاصل ہو فتنہ و

فساد کی اس مذمت کی بنا پر شریعت اسلامی میں ایسے تمام معاملات ناجائز اور حرام ہیں جو کسی بنا پر بھی جھگڑے اور فساد کو جنم دینے والے ہوں۔

وکیل کی فیس اس اصول کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ جھگڑے اور فساد کو ختم کرنا اور کسی کو فساد و نزاع سے بچانا نہ صرف ایک جائز امر ہے بلکہ ایک حد تک لازم وضروری بھی چنانچہ ایسے وکلاء جو اپنے مؤکل کو فساد سے بچاتے ہوں، ظلم سے نجات دلاتے ہوں ناحق زیادتی کے خلاف ان کی وکالت کرتے ہوں یا ان کا جائز حق دلانے میں اپنے علم وفن کے ذریعہ ان کی خدمت کرتے ہوں، ان کے لیے اس خدمت کا معاوضہ وکالت کی فیس کی صورت میں لینا جائز ہے لیکن یہ بات مدنظر رہے کہ مجرم کی وکالت یا مجرم کو بری کرانے کے لیے دلائل یا جھوٹی شہادتیں مہیا کرکے وکالت کی فیس لینا حرام ہے دیگر یہ کہ مفت انصاف مہیا کرنا حکومت کی اولین ذمہ واری ہے لہذا عدالت کا مستغیث سے کوئی فیس طلب کرنا جائز نہیں۔

۲۔ حفاظت مال ومتاع۔ حفاظت زندگی کی دوسری اہم بنیاد واساس مال ومتاع کی حفاظت ہے کہ ضروریاتِ زندگی انسانی زندگی کے بقاء کے لیے لازم وضروری ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کے مال ومتاع کی حفاظت اور چوکیداری پر مامور ہے تو اس پر اسے تنخواہ لینا جائز ہے اور وہ شخص اس سامان کا امین ہوگا اگر اس کے ارادہ اور فعل کے بغیر کوئی شخص زبردستی اسے خوف وہراس میں مبتلا کرکے سامان چھین لیتا ہے تو اس پر اس سامان کا تاوان واجب نہیں۔

ج۔ شرف زندگی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات میں ایک اعلیٰ اور امتیازی مقام عطا فرمایا ہے اور مخلوقات کی تکوین وتخلیق کے لیے جو ایام متعین کیے تھے ان میں افضل ترین دن، جمعہ کی افضل ترین ساعت، عصر ومغرب کے درمیان انسان کو تخلیق کیا[۳۴] مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دو وجوہ سے اس انسان کو اپنی جانب منسوب کیا۔ اولاً ارشاد فرمایا۔

ما منعك ان تسجد لما خلقت بيدی[۳۵]

(کہا اے ابلیس! کس چیز نے روکا تجھے سجدہ کرنے سے اُس مخلوق کو جس کو خود میں نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا)

خلق الله آدم على صورته[۳۶]

(اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا)

علامہ عینی اور ابن حجر کے نزدیک صورتہٖ (اس کی صورت) سے مراد اللہ کی صورت ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفت پر پیدا فرمایا یعنی سمیع، بصیر اور متکلم[۳۵] قوتِ سامعہ میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہیں لیکن وہ تکلم (بامعنی کلام) پر قدرت نہیں رکھتے جبکہ ملائکہ و جنات سمع و تکلم دونوں قوتیں رکھتے ہیں لیکن جو علمی بصیرت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی، اس سے محروم ہیں اور اسی علمی تفوق و برتری نے انسان کو مسجودِ ملائکہ بنایا۔ ثانیاً۔ تخلیق و تکوین کو اپنی جانب منسوب کرنے کے بعد یہ بھی فرمایا۔

فاذا سویته ونفخت فیه من روحی[۳۶]

(اور جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے جان ڈال دوں)

یعنی انسان نہ صرف باعتبار صورت اللہ کی جانب منسوب ہے بلکہ وہ باعتبار روح و مادہ بھی اللہ کی طرف منسوب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس انسان کے لیے احسن تقویم کا لقب بیان کیا اور اس کو برقرار رکھنے کی تاکید بھی کی۔ لہذا انسان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس شرف و اعزاز کو برقرار رکھے۔ شرفِ زندگی کا یہ اصول حسبِ ذیل بنیادوں پر استوار نظر آتا ہے۔

۱۔ ایسی تمام اشیاء کا استعمال حرام جو انسانی کرامت کو پامال کرنے والی ہوں مثلاً مردار کا کھانا، انسانی عزت و کرامت کے خلاف ہے[۳۹] اسی طرح مردار کی خرید و فروخت بھی حرام ہے[۴۰]

۲۔ انسان کے لیے طیبات کو حلال اور خبائث کو بفحوائے ارشاد ربانی یحل لکم الطیبات و یحرم علیکم الخبائث۔ حرام قرار دیا گیا ہے۔

خبائث کی تعریف کرتے ہوئے قرضاوی لکھتے ہیں:

ھی التی یستقذرھا الذوق الحسی العام للناس فی مجموعھم وان اساغھا افراد منھم[۴۱]

یعنی ایسی تمام اشیاء جن کو عام طور پر طبیعت گوارہ نہیں کرتی اور ان کا کھانا اپنے شرف و مقام کے خلاف سمجھتی ہے، شریعت اسلامیہ میں حرام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خیبر کے دن گدھے

کا گوشت کھانے سے نبی کریمؐ نے منع فرما دیا تھا[۴۲]

۳۔ سوال کرنے اور بھیک مانگنے کو حرام قرار دیا گیا خصوصاً جبکہ بھیک مانگنے کو بطور پیشہ اختیار کر لیا جائے نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

"الذی یسئال عن غیر حاجۃٍ کمثل الذی یلتقط الجمو[۴۳]

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

من سئال الناس یشری بہٗ مالہٗ کان خموشاً فی وجھہ الی یوم القیامۃ و رضفاً یاکلہٗ من جھنم فمن شاء فلیقلل ومن شاء فلیکثر[۴۴]

یعنی سوال کرنے اور بھیک مانگنے پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس دنیا میں بھی سزا ہے اور آخرت کا عذاب بھی اس پر مسلط ہو سکتا ہے صرف ایک صورت میں سوال کرنے اور بھیک مانگنے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ ہے انتہائی مجبوری کی صورت۔

۴۔ انسانی زندگی کے اس شرف و امتیاز کو قائم رکھنے اور اس کی زندگی کو پاکیزہ رکھنے کے لیے حفاظت نسل کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں زنا کے قریب بھی جانے کو منع فرمایا گیا ہے۔ اور ارتکاب زنا پر سو کوڑے یا رجم کی (شادی شدہ ہونے کی صورت میں) سزا متعین کی گئی ہے۔ زنا کی جس درجہ قباحت و مضرت قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں بیان کی گئی ہے، وہ کسی ایک مرتبہ ارتکاب زنا کی قباحت ہے، زنا کو بطور پیشہ عادت اختیار کر لینا اسے کسب و اکتساب کا ایک ذریعہ بنا لینا اور ایک فرقہ کے نزدیک متعہ کے جواز کی آڑ میں اس کی باقاعدہ منڈی قائم کر لینا کس قدر قباحتوں اور مضرتوں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا ... اس سے کمائی ہوئی دولت یقیناً کسب حرام کے قبیح ترین درجہ میں شمار ہوگی کہ یہ فعل بیک وقت انسانی زندگی کے شرف اور اس کی طہارت کو پامال اور ختم کرنے والا ہے۔

۵ ۔ انسان کے اس شرف کو نہ صرف اسکی زندگی میں برقرار رکھنا ضروری ہے بلکہ مرنے کے بعد بھی برقرار رکھنا لازم وضروری ہے ۔ چنانچہ انسانی لاش، اس کے جزو بدن کا کاروبار یا اس کی زندگی میں اس کے خون کا کاروبار حرام ہے ۔ کیونکہ انسان کے بال یا جو بھی چیز اس کے بدن کا حصّہ ہے، اس کا کاروبار حرام ہے انسانی عزت وکرامت اور اس کی شرافت کی بنا پر[46] چنانچہ بلڈ بنک میں انسانی خون کی خرید و فروخت، عصرِ حاضر میں مروج مراکز آرائش (Beauty Parlour) میں خواتین کے بالوں کی خرید و فروخت یا ان سے مصنوعی بال (wigs) تیار کر کے ان کی خرید و فروخت، اسی اصول کے تحت کسب و اکتساب حرام میں داخل وشامل ہیں ۔ ایسا کاروبار کرنے والے کسب حرام کا ارتکاب کر رہے ہیں اور ان سے حالتِ اضطرار کے علاوہ[47] استفادہ کرنے والے بھی گناہ کے مرتکب اور عذاب الٰہی کے مستوجب ہیں ۔

۶ ۔ انسانی شرف اور امتیاز کا تقاضا ہے کہ یہ انسان خالی عن العوض (جو مال کسی چیز کا معاوضہ نہ ہو) حاصل نہ کرے یہی وجہ ہے کہ جوئے کو بفحوائے ارشاد ربانی :

انما الخمر والمیسر الخ الایۃ[48]

حرام اور ممنوع قرار دیا گیا ہے ۔ جوے میں افراد کی ایک مخصوص تعداد پیسہ جمع کرتی ہے اور پھر وہ تمام پیسہ ان میں سے کسی ایک یا چند لوگوں کو دے دیا جاتا ہے اور باقی لوگ اصل رقم سے محروم قرار پاتے ہیں ۔ قرآن کریم کی صراحت کی رو سے یہ چیز صراحۃً حرام ہے ۔

ریفل ٹکٹ ہمارے ملک میں مروّج مختلف قسم کے ریفل ٹکٹ، جن میں قرعہ اندازی کے ذریعہ نقد یا کسی سامان کی صُورت میں انعامات دیے جاتے ہیں، اسی اصول کے تحت حرام اور ممنوع ہیں خواہ ان سے کمائی ہوئی رقم کسی رفاہی کام میں خرچ کی جائے یا اس سے کوئی نیک کام کیا جائے لیکن دکھ اور افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے ہاں اس چیز کو نہ صرف حرام نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کے ذریعہ نکلنے والی رقم یا چیز کو انعام اور اللہ کا فضل قرار دیا جاتا ہے یہ اللہ پر ایک اتہام ہے اور بارگاہِ الٰہی کی شدید ترین توہین ہے کیے ایک حرام

ذریعہ اور طریقہ سے کمائی ہوئی دولت کو فضل الٰہی اور انعامِ ربانی سے موسوم کیا جائے۔ اللہ کا فضل اور اس کا انعام پاک اور طاہر ہوا کرتا ہے جبکہ یہ چیز سراسر نجس اور ناپاک ہے اس کو فضل الٰہی سے تعبیر کرنا یقیناً ایک مزید گناہ کا سبب ہے اور اس پر مزید اللہ کے عذاب اور اس کے غیظ و غضب کی توقع کی جا سکتی ہے۔ قوم کو نہ صرف اس ارتکاب حرام سے تائب ہونا چاہیے بلکہ اس بات سے بھی توبہ کرنی چاہیے کہ اس کو ہم نے اللہ کا فضل اور اس کا انعام قرار دیا۔

کسب و اکتساب میں حلال و حرام کا باب ایک نہایت وسیع باب ہے جس پر اربابِ فکر متوجہ ہوں اور مستقل کتاب تصنیف کریں۔ اس وقت ضیقِ وقت اور تنگی قلم و قرطاس مانع ہو رہی ہے کہ اس مضمون میں چند اصولی چیزیں حوالۂ قلم کر دیں ورنہ موضوع کی وسعت اس سے بہت زیادہ کی طالب تھی۔

آخر میں یہ گذارش بھی ضروری ہے کہ یہ وعدۂ الٰہی ہے کہ جو اللہ پر بھروسہ کر کے اس پر تقویٰ کر کے کسب حلال کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے تو اس کے لیے ارشادِ ربانی ہے کہ اللہ اس کو کافی ہے اور ظاہر ہے کہ جس کی حمایت اور نصرت پر اللہ راضی ہو جائے اور جو رزق دینے کا اللہ کا ارادہ کرے، دنیا کی کوئی طاقت اس رزق کو روک نہیں سکتی اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایسے ذرائع فراہم کرتا ہے کہ جو انسان کے سان و گمان سے بھی باہر اور بالاتر ہوتے ہیں۔

ومن یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجًا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔

(اور جو اللہ کا تقویٰ اختیار کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے پریشانیوں سے نجات کے راستہ بنا دیتا ہے اور اسے ان ذرائع سے رزق عطا کرتا ہے جو اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتے)

اس ایمان و ایقان کے ساتھ انسان اکتساب رزق حلال پر اگر قناعت کرے تو بارگاہِ الٰہی کی جانب سے متوجہ ہونے والی رحمتوں اور برکتوں کا وہ از خود مشاہدہ کرے گا۔

ما توفیقی الّا باللہ علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم۔

حواشی

۱۔ خضری بک محمد۔ اصول الفقہ۔ مصر، مکتبہ التجاریہ۔ ۱۹۶۹ء ص ۴۹۔
۲۔ ملاجیون، ابن ابی سعید اللہ صدیقی۔ نورالانوار، کراچی، ایچ ایم سعید۔ ص ۶۱۔
۳۔ ابن حزم، ابومحمد علی بن احمد، الاحکام فی اصول الاحکام ج ۳ : ص ۳۲۱۔
۴۔ خضری بک حوالہ مذکور۔
۵۔ ۴ : النساء : ۲۳۔
۶۔ احمد بن حنبل، امام۔ مسند الامام احمد بن حنبل۔ بیروت، المکتب الاسلامی۔ ج ۵ : ص ۴۷
۷۔ ۲۲ : الحج : ۳۰۔
۸۔ ۵ : المائدہ : ۹۰۔
۹۔ ۲۴ : النور : ۴۔
۱۰۔ ۴ : النساء : ۱۰
۱۱۔ ایضاً
۱۲۔ خضری بک۔ اصول الفقہ : ص ۵۴۔
۱۳۔ وجیز۔ ۴۷۔
۱۴۔ ۵ : المائدہ : ۵۔
۱۵۔ ۲ : البقرہ : ۱۷۳۔
۱۶۔ ایضاً : ۲۳۵
۱۷۔ ۲۴ : النور : ۶۱۔
۱۸۔ ۶۲ : الجمعہ : ۱۰

۱۹ - ۴۵ : الجاثیہ : ۱۳ -
۲۰ - ۲ : البقرۃ : ۲۹ -
۲۱ - المدثر : ۱
۲۲ - ابن حزم ، ابو محمد علی بن سعید، الاحکام فی اصول الاحکام ۔ بیروت، دارآلآفاق ۱۹۸۰ء
جزء ۸ : ص ۱۱۲ -
۲۳ - ۳ : آلِ عمران : ۱۳۱ -
۲۴ - ۲ : البقرۃ : ۲۷۸ -
۲۵ - ۴ : النسار : ۵۸ -
۲۶ - مرغینانی ، ابوالحسن علی بن ابی بکر ۔ الہدایۃ ۔ کراچی کارخانہ اسلامی کتب، ج ۳ : ص ۵۸
باب بیع الفاسد ۔
۲۷ - یوسف القرضاوی ۔ الحلال والحرام فی الاسلام ۔
۲۸ - ۴ : النسار : ۲۹
۲۹ - ایضاً : ۳۰
۳۰ - شاہ ولی اللہ ، حجۃ اللہ البالغۃ ۔ لاہور ۔ مکتبہ سلفیہ ۔ ج ۲ : ص ۱۵۱ -
۳۱ - ۲ : البقرہ : ۱۹۱ -
۳۲ - ایضاً : ۲۱۷ -
۳۳ - ۵ : المائدہ : ۳۳ -
۳۴ - مسلم بن الحجاج القشیری ۔ الجامع الصحیح ۔ کراچی ، اصح المطابع ج ۲ : ص ۳۷۱ - باب
صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، کتاب المنافقین ۔
۳۵ - ۳۸ : صٓ : ۷۵ -
۳۶ - بخاری ، محمد بن اسمٰعیل ۔ الجامع الصحیح ۔ کراچی اصح المطابع ۔ ج ۱ : ص ۹۲۵ - باب
بدء السلام کتاب الاستیذان ۔
۳۷ - عینی ، بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد ، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۔ بیروت ، دارالفکر

ج ۱۱ : ص ۲۲۹ - ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی۔ فتح الباری - لاہور، دار نشر الکتب الاسلامیہ - ج ۱۱ : ص ۳ -

۳۸ - ۳۸ : صٓ : ۷۲ -

۳۹ - یوسف القرضاوی - الحلال والحرام فی الاسلام - ص ۴۱ -

۴۰ - ایضاً - ص ۴۹ -

۴۱ - بخاری - کتاب مذکور - ج ۲ : ص ۶۰۶ - باب غزوۃ الخیبر - کتاب المغازی -

۴۲ - بیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین ابن علی، السنن الکبریٰ، حیدرآباد دکن، دائرۃ المعارف : ج ۴ : ص ۱۹۶ -

۴۳ - ترمذی، ابوعیسیٰ بن عیسیٰ - کتاب الجامع - کراچی ایچ ایم سعید - ج ۱ : ص ۱۴۱ - باب من لا تحل لہ الصدقۃ - ابواب الزکوٰۃ -

۴۴ - مسلم بن الحجاج - الجامع الصحیح - کراچی - اصح المطابع - ج ۱ : ص ۳۳۳ - باب النھی عن المسئلۃ - کتاب الزکوٰہ -

۴۵ - مرغینانی، ھدایہ - ج ۳ : ص ۵۷، ۵۸ -

۴۶ - حالت اضطرار سے مراد وہ احوال ہیں جن میں کسی حرام کو کھانے کی اجازت ہو جاتی ہے، وہ احوال گذشتہ اوراق میں بیان کیے جاچکے ہیں -

۴۷ - المائدہ : ۹۰ - مکمل آیت گذر چکی ہے -

۴۸ - ۶۵ : الطلاق : ۲ -